بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ محمد (47)

آیت نمبر (1تا6)

ترکیب

جس طرح لفظ ''مَنْ'' اصلاً موصولہ ہے لیکن کبھی یہ شرطیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اَلَّذِیۡ اور اَلَّذِیۡنَ میں بھی کبھی شرط کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے آیات ایک اور دو میں ہے کہ جو لوگ یہ کام کریں گے (شرط) تو ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہوگا (جواب شرط)۔ اس لیے ان میں ماضی کا ترجمہ حال یا مستقبل میں کرنے کی گنجائش ہے۔ آیت۔3۔ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ اس لیے ماضی کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:49،نوٹ۔2)

ترجمہ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	وَصَدُّوۡا	عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	اَضَلَّ	اَعۡمَالَہُمۡ ①
جن لوگوں نے انکار کیا	اور وہ لوگ رکے رہے	اللہ کی راہ سے	تو وہ (اللہ) ضائع کرے گا	ان کے اعمال کو

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	وَاٰمَنُوۡا بِمَا	نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ	وَّہُوَ الۡحَقُّ
اور جو لوگ ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	اور ایمان لائے اس پر جو	نازل کیا گیا محمدؐ پر	جبکہ وہ ہی حق ہے

مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ	کَفَّرَ عَنۡہُمۡ	سَیِّاٰتِہِمۡ	وَاَصۡلَحَ	بَالَہُمۡ ②
ان کے رب (کی جانب) سے	تو وہ (اللہ) دور کرے گا ان سے	ان کی برائیوں کو	اور وہ اصلاح کرے گا	ان کی حالت کی

ذٰلِکَ بِاَنَّ	الَّذِیۡنَ کَفَرُوا	اتَّبَعُوا	الۡبَاطِلَ	وَاَنَّ	الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا
یہ اس سبب سے کہ	جن لوگوں نے انکار کیا	وہ لوگ پیروی کرتے ہیں	باطل کی	اور (یہ) کہ	جو لوگ ایمان لائے

اتَّبَعُوا	الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ	کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ	لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ③	فَاِذَا لَقِیۡتُمُ
وہ پیروی کرتے ہیں	حق کی اپنے رب (کی طرف) سے	اس طرح بیان کرتا ہے اللہ	لوگوں کے لیے ان کی مثالیں	پھر جب کبھی آمنے سامنے ہو تم لوگ

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ	حَتّٰۤی اِذَاۤ	اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ	فَشُدُّوا
ان کے جنہوں نے کفر کیا	تو (مارو) جیسا گردنیں مارنے کا حق ہے	یہاں تک کہ جب	تم لوگ خوب خونریزی کر لو ان کی	تو تم لوگ مضبوط کرو

الۡوَثَاقَ ٭ۙ	فَاِمَّا	مَنًّۢا بَعۡدُ	وَاِمَّا فِدَآءً	حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ	اَوۡزَارَہَا ۚ۟ۛ
جکڑنے کو	پھر یا تو	(چھوڑو) احسان کرتے ہوئے اس کے بعد	اور یا بدلہ میں کچھ لینے کے لیے	یہاں تک کہ رکھ دے جنگ	اپنے بوجھ (ہتھیار)

ذٰلِکَ ؕۛ	وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ	لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ	وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠	بَعۡضَکُمۡ	بِبَعۡضٍ ؕ
یہ ہے	اور اگر چاہتا اللہ	تو وہ یقیناً بدلہ لیتا ان سے	اور لیکن (بدلہ نہیں لیا) تاکہ وہ آزمائے	تمہارے کسی کو	کسی سے

وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا	فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	فَلَنۡ یُّضِلَّ	اَعۡمَالَہُمۡ ④	سَیَہۡدِیۡہِمۡ
اور جو لوگ قتل کیے گئے	اللہ کی راہ میں	تو وہ (اللہ) ہرگز ضائع نہیں کرے گا	ان کے اعمال کو	وہ رہنمائی کرے گا ان کی

وَيُصْلِحُ	بَالَهُمْ ⑤	وَيُدْخِلُهُمُ	الْجَنَّةَ	عَرَّفَهَا	لَهُمْ ⑥
اور وہ اصلاح کرے گا	ان کی حالت کو	اور وہ داخل کرے گا ان کو	اس جنت میں	اس نے خوشبو میں بسایا جس کو	ان کے لیے

نوٹ: 1

آیت۔2 میں صرف یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ اس چیز پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر اتاری گئی، پھر مزید تصریح یہ ہے کہ اب خدا کی طرف سے حق یہی ہے۔ اس تصریح کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اُس دور میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو کفر اور اسلام دونوں کے درمیان سمجھوتے کی باتیں کرنے لگا تھا کہ مسلمانوں کو کچھ گنجائش دوسروں کے لیے بھی تسلیم کرنی چاہیے۔ (یہ گروہ آج بھی موجود ہے۔ مرتب)۔ اہل کتاب میں بھی ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو کہتا تھا کہ مومن تو ہم بھی ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) پر ایمان نہیں لائے۔ اس قسم کے رجحانات کی بیخ کنی قرآن نے پچھلی سورتوں میں بھی کی ہے اور یہاں بھی مذکورہ بالا تصریح نے اسی رجحان پر ضرب لگائی ہے کہ اب ایمان و ہدایت کا واحد راستہ وہی ہے جس کی دعوت محمد ﷺ دے رہے ہیں۔ اس سے ہٹ کر کوئی راہ نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)

نوٹ: 2

آیت۔2 قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس میں قوانین جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جس طرح عمل کیا ہے اور اس سے جو استنباطات کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑنا ہے۔ اس سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہیے۔ قیدی پکڑنے کی طرف توجہ اس وقت کرنی چاہیے جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے اور میدان جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔

(۲) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے بارے میں فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے، خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کرلو۔ اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(۳) مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حکومت بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ عام قاعدے میں ایک استثناء ہے جسے بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے ستر قیدیوں میں سے صرف دو کو، جنگ احد کے قیدیوں میں سے صرف ایک کو اور جنگ خیبر کے قیدیوں میں سے صرف ایک کو قتل کرایا۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ میں صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ان مستثنیات کے علاوہ حضورؐ کا عام طریقہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا اور یہی عمل خلفاء راشدین کا بھی تھا۔

(۴) جنگی قیدیوں کے بارے میں احسان کرنے یا فدیہ کا معاملہ کرنے کا حکم ہے احسان میں چار چیزیں شامل ہیں۔ ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالے کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔ جبکہ فدیہ کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اپنے اُن آدمیوں سے جو دشمن

کے قبضہ میں ہوں۔ ان کا تبادلہ کرلیا جائے۔ ان سب مختلف صورتوں پر نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔

(۵) نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب تک حکومت کی قید میں رہے اس کی غذا، لباس اور علاج حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔

(۶) قیدیوں کے معاملے میں اسلام نے یہ شکل رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے، وہ تو آزاد کر دیا جائے گا مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔ یہ بات معقول ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرے گا تو آخر وہ کون سا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

(۷) قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت یہ ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی رعایا بنا لیا جائے۔ اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں عمل کیا گیا ہے جب قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں وہ اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی ﷺ نے اہل خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔

(۸) مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال صرف جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے اس کو بالعموم ناپسند کیا ہے لیکن ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

(۹) قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی ﷺ کے عہد میں ملتی ہیں۔ فقہا تبادلہ ایسران کو جائز رکھتے ہیں۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برا ہونے کی گنجائش ہے۔ جو لوگ اس آیت کا بس یہ مطلب لیتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کو یا بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، وہ نہیں جانتے کہ یہ معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے۔ اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کر سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج5۔ ص12 تا 18 سے ماخوذ)

آیت نمبر (7 تا 12)

ت ع س

(ف) تَعۡسًا ٹھوکر کھا کر گرنا پھر اٹھ نہ سکنا۔ پستی میں گر کر ٹوٹ جانا۔ پھر زیادہ تر ہلاک ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔8

ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا	اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ	يَنۡصُرۡكُمۡ	وَيُثَبِّتۡ
اے لوگو! جو ایمان لائے	اگر تم لوگ مدد کرو گے اللہ کی	تو وہ مدد کرے گا تمہاری	اور وہ جمادے گا

اَقۡدَامَكُمۡ ⑦	وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	فَتَعۡسًا	لَّهُمۡ	وَاَضَلَّ	اَعۡمَالَهُمۡ ⑧
تمہارے قدموں کو	اور جنہوں نے انکار کیا	تو (وہ لازم کرے گا) ہلاک ہونے کو	ان کے لیے	اور وہ ضائع کرے گا	ان کے اعمال کو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ	كَرِهُوۡا مَاۤ	اَنۡزَلَ اللّٰهُ	فَاَحۡبَطَ	اَعۡمَالَهُمۡ ⑨	اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا
یہ اس سبب سے کہ انہوں نے	ناپسند کیا اس کو جو	نازل کیا اللہ نے	تو اس نے اکارت کر دیئے	ان کے اعمال	تو کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں

فِى الۡاَرۡضِ	فَيَنۡظُرُوۡا	كَيۡفَ كَانَ	عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ	دَمَّرَ اللّٰهُ
زمین میں	نتیجتاً (تاکہ) وہ دیکھتے	کیسا تھا	ان لوگوں کا انجام جو	ان سے پہلے تھے	ہلاکت ڈالی اللہ نے

عَلَيۡهِمۡ ز	وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ	اَمۡثَالُهَا ⑩	ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ	مَوۡلَى
ان پر	اور انکار کرنے والوں کے لیے	اس (انجام) کے جیسی (چیزیں) ہیں	یہ اس سبب سے کہ اللہ	بگڑی بنانے والا ہے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا	وَاَنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ	لَا مَوۡلٰى	لَهُمۡ ع ⑪	اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ
ان کی جو ایمان لائے	اور یہ کہ کافر لوگ	کوئی بگڑی بنانے والا نہیں ہے	ان کے لیے	یقیناً اللہ داخل کرے گا

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جَنّٰتٍ	تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا	الۡاَنۡهٰرُ ؕ	وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
ان کو جو ایمان لائے	اور جنہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے نیچے سے	نہریں	اور جنہوں نے کفر کیا

يَتَمَتَّعُوۡنَ	وَيَاۡكُلُوۡنَ	كَمَا تَاۡكُلُ	الۡاَنۡعَامُ	وَ	النَّارُ	مَثۡوًى	لَّهُمۡ ⑫
وہ فائدہ اٹھاتے ہیں	اور کھاتے ہیں	جیسے کھاتے ہیں	چوپائے	اس حال میں کہ	آگ	ٹھکانہ ہے	ان کے لیے

نوٹ:1 آیت۔7۔ کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحبؒ (یعنی شاہ عبدالقادرؒ) لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے۔ پر یہ منظور نہیں ہے۔ جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف ہے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف ہے کام بنانا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ سے منقول)۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی راہ میں پہلا قدم وہ اٹھائیں۔ اگر انہوں نے یہ قدم اٹھا لیا تو اس کے بعد اس کی شانیں ظاہر ہوں گی۔ ان کے لیے اس کی مدد نہیں نازل ہوتی جو گھروں میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے ہیں بلکہ ان کے لیے نازل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو میدان میں ڈال دیتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 لفظ مولیٰ بہت سے معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ایک معنی کارساز کے ہیں جو یہاں مراد ہیں۔ ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ (سورہ یونس۔30) کفار کے بارے میں آیا ہے ''اور وہ لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی آقا ہے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لیے بھی مولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ مولیٰ کے معنی مالک کے (بھی) ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت عام ہے۔ مومن کافر کوئی اس سے خارج نہیں۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:3 جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے، کس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس رزق کے ساتھ میرے اوپر رازق کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جا رہے ہیں۔ چرنے چگنے (روٹی، کپڑا، مکان) سے آگے انہیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

6226

آیت نمبر (13 تا 15)

ء س ن

(س) اَسَنًا پانی کا بدبودار ہونا۔

اٰسِنٌ اسم الفاعل ہے۔ بدبودار ہونے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔15۔

ع س ل

(ن۔ض) عَسلًا کھانے میں شہد ملانا۔ شہد کھلانا۔

عَسَلٌ اسم ذات ہے۔ شہد۔ زیر مطالعہ آیت۔15۔

ترجمہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ	هِيَ اَشَدُّ	قُوَّةً	مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ	اَخْرَجَتْكَ ج
اور کتنی ہی بستیاں ہیں	جو زیادہ شدید تھیں	بلحاظ قوت کے	آپ کی اس بستی سے جس نے	نکالا آپ کو

اَهْلَكْنٰهُمْ	فَلَا نَاصِرَ	لَهُمْ ﴿۱۳﴾	اَفَمَنْ كَانَ	عَلٰى بَيِّنَةٍ
ہم نے ہلاک کیا ان (بستی والوں) کو	تو کوئی بھی مدد کرنے والا نہ تھا	ان کے لیے	تو کیا وہ جو تھا	ایک واضح (ہدایت) پر

مِّنْ رَّبِّهٖ	كَمَنْ	زُيِّنَ لَهٗ	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	وَاتَّبَعُوْٓا	اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾
اپنے رب (کی طرف) سے	اس کے جیسا ہوگا	سجایا گیا جس کے لیے	اس کے عمل کی برائی کو	اور انہوں نے پیروی کی	اپنی خواہشات کی

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ	وُعِدَ	الْمُتَّقُوْنَ ط	فِيْهَآ اَنْهٰرٌ	مِّنْ مَّآءٍ
اس جنت کی مثال جس کا	وعدہ کیا گیا	متقی لوگوں سے	اس میں کچھ نہریں ہیں	ایسے پانی سے جو

غَيْرِ اٰسِنٍ ج	وَاَنْهٰرٌ	مِّنْ لَّبَنٍ	لَّمْ يَتَغَيَّرْ	طَعْمُهٗ ج	وَاَنْهٰرٌ
بدبودار ہونے والا نہیں ہے	اور کچھ نہریں ہیں	ایسے دودھ سے	بدلا ہی نہیں	جس کا ذائقہ	اور کچھ نہریں ہیں

مِّنْ خَمْرٍ	لَّذَّةٍ	لِّلشّٰرِبِيْنَ ۵	وَاَنْهٰرٌ	مِّنْ عَسَلٍ	مُّصَفًّى ط
ایسی شراب سے جو	لذت ہے	پینے والوں کے لیے	اور کچھ نہریں ہیں	ایسی شہد سے جو	آمیزش سے پاک کی ہوئی ہے

وَلَهُمْ فِيْهَا	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	وَمَغْفِرَةٌ	مِّنْ رَّبِّهِمْ ط	كَمَنْ
اور ان کے لیے اس میں ہیں	تمام پھلوں میں سے	اور مغفرت ہے	ان کے رب کی طرف سے	(کیا وہ) اس کے جیسا ہوگا

هُوَ	خَالِدٌ	فِي النَّارِ	وَسُقُوْا	مَآءً حَمِيْمًا	فَقَطَّعَ	اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾
جو	ہمیشہ رہنے والا ہے	آگ میں	اور جن لوگوں کو پلایا جائے گا	کھولتا پانی	تو وہ کاٹ دے گا	ان کی انتڑیوں کو

نوٹ:1 آیت۔15 میں جنت میں چار چیزوں کی نہروں کا ذکر ہے اس میں سے دودھ کے لیے حدیث میں تشریح آئی ہے کہ ''وہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا دودھ نہ ہوگا۔'' شراب کے لیے حدیث میں ہے کہ اس شراب کو ''انسانوں نے اپنے قدموں سے روند کر نہ نچھوڑا ہوگا۔'' یعنی وہ

پھلوں کو سڑا کر اور قدموں سے روند کر کشید کی ہوئی نہ ہوگی۔ اور شہد کے لیے ہے کہ "وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلا ہوا شہد نہ ہوگا"، یعنی پانی کی طرح یہ چیزیں بھی چشموں سے نکل کر نہروں میں بہیں گی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (16 تا 19)

ش ر ط

(ن۔ض) شَرَطًا شرط لگانا۔

(س) شَرَطًا کسی مشکل کام میں پڑنا۔ کسی چیز پر پہچان کے لیے نشان لگانا۔

شَرَطٌ ہر چیز کی ابتدا۔ علامت۔ زیرِ مطالعہ آیت۔18۔

ترجمہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ	يَّسْتَمِعُ	اِلَيْكَ ۚ	حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا	مِنْ عِنْدِكَ
اور ان میں وہ بھی ہیں جو	کان دھرتے ہیں	آپؐ کی طرف	یہاں تک کہ جب وہ نکلتے ہیں	آپؐ کے پاس سے

قَالُوْا	لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	مَاذَا قَالَ	اٰنِفًا ۣ	اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
تو کہتے ہیں	ان سے جن کو دیا گیا علم	انہوں نے کیا فرمایا	ابھی ابھی	یہ وہ لوگ ہیں

طَبَعَ اللّٰهُ	عَلٰي قُلُوْبِهِمْ	وَاتَّبَعُوْٓا	اَهْوَاۗءَهُمْ ۝16	وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا
چھاپ لگا دی اللہ نے	جن کے دلوں پر	اور ان لوگوں نے پیروی کی	اپنی خواہشات کی	اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی

زَادَهُمْ	هُدًى	وَّاٰتٰىهُمْ	تَقْوٰىهُمْ ۝17	فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا السَّاعَةَ
اس (اللہ) نے زیادہ کیا ان کو	بلحاظ ہدایت کے	اور اس نے دیا ان کو	ان کا تقویٰ	تو یہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	سوائے اُس گھڑی (قیامت) کے

اَنْ تَاْتِيَهُمْ	بَغْتَةً ۚ	فَقَدْ جَاۗءَ	اَشْرَاطُهَا ۚ	فَاَنّٰى لَهُمْ
کہ وہ پہنچے ان کے پاس	اچانک	تو آ چکی ہیں	ان کی علامتیں	تو کہاں سے ہوگی ان کے لیے

اِذَا	جَاۗءَتْهُمْ	ذِكْرٰىهُمْ ۝18	فَاعْلَمْ	اَنَّهٗ	لَآ اِلٰهَ
(اُس وقت) جبکہ	وہ (گھڑی) آئے گی ان کے پاس	ان کی نصیحت	تو آپؐ جان لیں	حقیقت یہ ہے کہ	کوئی بھی اِلٰہ نہیں ہے

اِلَّا اللّٰهُ	وَاسْتَغْفِرْ	لِذَنْۢبِكَ	وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ
سوائے اللہ کے	اور آپؐ مغفرت مانگیں	اپنے گناہ کے لیے	اور ایمان لانے والوں کے لیے	اور ایمان لانے والیوں کے لیے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	مُتَقَلَّبَكُمْ	وَمَثْوٰىكُمْ ۝19 ع
اور اللہ جانتا ہے	تم لوگوں کے گھومنے پھرنے کی جگہ کو	اور تمہارے ٹھکانے کو

نوٹ:1 آیت۔16 میں نبی ﷺ کو منافقین سے خبردار کیا گیا ہے۔ فرمایا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہاری بات سننے کے لیے کان تو لگاتا ہے لیکن سنتا سمجھتا کچھ بھی نہیں۔ جب یہ تمہارے پاس سے جاتے ہیں تو مجلس کے دوسرے اصحاب علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا فرمایا۔ اس سوال سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ تم لوگ محض سادہ لوحی کے سبب سے ان کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کر دیتے ہو، ہم تو ان کی باتیں

بہت توجہ سے سنتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ واضح رہے کہ یہ طریقہ کسی کی عمدہ سے عمدہ بات کو مشتبہ بنا دینے کے لیے ایک نہایت کارگر طریقہ ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 علاماتِ قیامت کی ابتداء خود خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قربِ قیامت کی علامت ہے اسی طرح شق قمر کے معجزے کو بھی قرآن میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (54/القمر:1) کے ساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علاماتِ ابتدائیہ ہیں جو خود نزولِ قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں۔ دوسری علامات کا ذکر احادیث میں ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:3 اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی میں کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، اسے کبھی یہ زعم نہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا میں نے کر دیا ہے۔ بلکہ اسے ہمیشہ یہی سمجھنا چاہیے کہ میرے مالک کا مجھ پر جو حق تھا وہ میں ادا نہیں کر سکا۔ اور ہر وقت اپنے قصور کا اعتراف کر کے اپنی کمی کوتاہی کے لیے مغفرت مانگتا رہے۔ یہی اصل روح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ ’’اے نبیؐ اپنے قصور کی معافی مانگو۔‘‘ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ نبی ﷺ نے فی الواقع کوئی قصور کیا تھا بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا سے بڑھ کر جو بندہ اپنے رب کی بندگی بجا لانے والا تھا، اس کا منصب بھی یہ نہ تھا کہ اپنے کارنامے پر فخر کا کوئی شائبہ تک اس کے دل میں راہ پائے۔ اسی کیفیت کا اثر تھا جس کے تحت نبی ﷺ بکثرت استغفار فرماتے رہتے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (20 تا 23)

ترکیب (آیت۔ 20) اَوْلٰی افعل تفضیل ہے جس کے معنی ہیں زیادہ نزدیک۔ زیادہ قریب لیکن یہ دھمکی کا کلمہ بھی ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/البقرۃ:64، مادہ ’’و ل ی‘‘)۔ یہاں یہ دھمکی کے معنی میں آیا ہے۔ (آیت۔ 21) طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ خبریں ہیں ان سے پہلے ان کا مبتدا محذوف ہے جو اَلْمَطْلُوْبُ ہو سکتا ہے۔ عَزَمَ فعل متعدی ہے جس کے معنی ہیں پکا ارادہ کرنا۔ یہاں اَلْاَمْرُ اس کے فاعل کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے لفظی ترجمہ بنتا ہے۔ اس معاملہ نے پکا ارادہ کیا۔ لیکن مفہوم فعل لازم کے معنی میں لیا جاتا ہے یعنی وہ معاملہ پکا ہوا یا پختہ ہوا۔

ترجمہ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ	فَاِذَآ اُنْزِلَتْ
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے	کیوں نہیں نازل کی گئی کوئی سورت	پھر جب اتاری گئی

سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ	وَّذُكِرَ فِيْهَا	الْقِتَالُ ۙ	رَاَيْتَ الَّذِيْنَ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ
ایک محکم کی ہوئی سورت	اور ذکر کیا گیا اس میں	جنگ کا	تو آپؐ نے دیکھا ان کو	جن کے دلوں میں	ایک روگ ہے

يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ	نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ	مِنَ الْمَوْتِ ۭ	فَاَوْلٰى	لَهُمْ ۚ ﴿٢٠﴾
(کہ) وہ دیکھتے ہیں آپؐ کی طرف	اس کی نظر جس پر ڈھائی گئی (غشی)	موت (کے خوف) سے	تو قریب ہے (تباہی)	ان کے لیے

طَاعَةٌ	وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ	فَاِذَا	عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ
(اصل مطلوب ہے) اطاعت کرنا	اور بھلی بات کہنا	پھر جب کبھی	پختہ ارادہ کر لے وہ معاملہ (یعنی جنگ کا فیصلہ ہو جائے)

فَلَوْ صَدَقُوا	اللّٰهَ	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴿٢١﴾	فَهَلْ عَسَيْتُمْ	اِنْ تَوَلَّيْتُمْ
تو اگر یہ لوگ سچ کر دکھاتے	اللہ کو	تو یقیناً بہتر ہوتا ان کے لیے	پھر تم لوگوں سے کیا ہو سکتا ہے	اگر تم لوگ روگردانی کرو (جہاد سے)

اَنۡ	تُفۡسِدُوۡا	فِی الۡاَرۡضِ	وَتُقَطِّعُوۡۤا	اَرۡحَامَكُمۡ ﴿۲۲﴾
(سوائے اس کے) کہ	تم لوگ حقوق وفرائض کا توازن بگاڑو	زمین میں	اور ٹکڑے ٹکڑے کرڈالو	اپنی رشتہ داریوں کو

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ	لَعَنَهُمُ اللّٰهُ	فَاَصَمَّهُمۡ	وَاَعۡمٰٓى اَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾
یہ وہ لوگ ہیں	لعنت کی جن پر اللہ نے	پھر اس نے بہرا کر دیا ان کو	اور اندھی کر دیں ان کی بصارتیں

نوٹ:1 منافقوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو قریش اور یہود کو یہ اطمنان دلاتے رہتے تھے کہ ہم اگرچہ مسلمانوں میں شامل ہیں لیکن بعض معاملات میں ہم آپ ہی لوگوں کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ یہ لوگ اپنی منافقانہ پالیسی پر پردہ ڈالنے میں اُس وقت تک کامیاب رہے جب تک جنگ کا مرحلہ نہیں آیا تھا لیکن جب یہ مرحلہ سر پر آ گیا تو ان کے لیے چھپنے کا موقع باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان لوگوں نے یہ وسوسہ اندازی شروع کر دی کہ ہم بھائیوں بھائیوں کے اندر خون ریزی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اور قریش اور اس ملک کے دوسرے عناصر سب مل جل کر صلح اور محبت کے ساتھ رہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مصلح اور امن پسند کہتے تھے۔ ان کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر آیت۔22۔ میں فرمایا کہ یہ راہ جو تم نے اختیار کی ہے وہ امن اور صلح کی راہ نہیں ہے بلکہ یہ اسی فساد اور برادر کشی کی طرف تمہاری واپسی ہے جس میں تم پہلے مبتلاء رہے ہو۔ امن اور اخوت کی راہ یہ ہے کہ سب ایک اللہ کے بندے اور ایک آدم کی اولاد کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور اس نظام زندگی کو اپنائیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت آدمؑ کی وحدت کے عقیدے پر قائم ہے۔ یہ چیز اس جاہلی نظام زندگی کو برقرار رکھنے سے حاصل نہیں ہوگی جس میں قبیلہ قبیلہ کا خدا بھی جدا ہے اور ہر ایک کا باوا آدم بھی الگ الگ ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 اسلام نے رشتہ داری کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ اس کو اپنے قریب کرے گا اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ اس کو قطع کر دے گا۔ اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اسی آیت کا حوالہ دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (24 تا 28)

ترجمہ

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ	الۡقُرۡاٰنَ	اَمۡ عَلٰى قُلُوۡبٍ	اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾
تو کیا یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے	قرآن میں	یا کچھ دلوں پر	ان کے تالے ہیں

اِنَّ الَّذِيۡنَ ارۡتَدُّوۡا	عَلٰٓى اَدۡبَارِهِمۡ	مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا	تَبَيَّنَ لَهُمُ	الۡهُدَى
بیشک جو لوگ واپس لوٹے	اپنی پیٹھوں پر	اس کے بعد کہ جب	واضح ہوئی ان کے لیے	ہدایت

الشَّيۡطٰنُ سَوَّلَ	لَهُمۡ	وَاَمۡلٰى	لَهُمۡ ﴿۲۵﴾	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ
شیطان نے خوشنما بنایا	ان کے لیے (منافقت کو)	اور اس نے لمبی چوڑی امید دلائی	ان لوگوں کے لیے	یہ اس سبب سے کہ انہوں (منافقوں) نے

قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ	كَرِهُوۡا مَا	نَزَّلَ اللّٰهُ	سَنُطِيۡعُكُمۡ	فِيۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ
کہا ان لوگوں سے جنہوں نے	ناپسند کیا اس کو جو	نازل کیا اللہ نے	(کہ) ہم کہنا مانیں گے تم لوگوں کا	بعض معاملات میں

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ	اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾	فَكَيۡفَ	اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ	الۡمَلٰٓـئِكَةُ	يَضۡرِبُوۡنَ
اور اللہ جانتا ہے	ان کے چھپانے کو	تو کیسا ہوگا	جب روح قبض کریں گے ان کی	فرشتے	مارتے ہوئے

وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ	اتَّبَعُوۡا مَاۤ	اَسۡخَطَ اللّٰهَ
ان کے چہروں کو اور ان کی پیٹھوں کو	یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے	پیروی کی اس کی جس نے	ناراض کیا اللہ کو

وَكَرِهُوۡا	رِضۡوَانَهٗ	فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾ ع
اور انہوں نے ناپسند کیا	اس کی رضامندی کو	تو اس نے اکارت کردیئے ان کے اعمال

نوٹ: 1 دلوں کو زندہ رکھنے والی چیز قرآن ہے بشرطیکہ اس کو سمجھ کر اس پر غور وفکر کیا جائے۔ لیکن ناقدرے لوگ اس پر غور نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں پر جو زنگ لگتے ہیں وہ اس طرح ان کے دلوں پر چڑھ جاتے ہیں جس طرح تالوں سے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اَقۡفَالُهَا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دلوں کو روگ یا زنگ کی طرح لگتی ہیں۔ دنیا کی محبت، موت کا ڈر، بخل، کینہ، حسد، نفاق اور اس قبیل کی دوسری چیزیں اس کے نمایاں اجزاء ہیں اور قساوت یعنی دل کی سختی بھی اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بیماریوں کا علاج قرآن کو سننا اور سمجھنا ہے لیکن ایسے لوگوں کو قرآن ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2 آیت۔ 27۔ بھی ان آیات میں سے ہے جو عذابِ برزخ یعنی عذابِ قبر کی تصریح کرتی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی کفار ومنافقین پر عذاب شروع ہو جاتا ہے اور یہ عذاب اس سزا سے مختلف چیز ہے جو قیامت میں ان کے مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد ان کو دی جائے گی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (29 تا 34)

ض غ ن

(س) ضَغۡنًا دل میں دشمنی چھپانا۔ کینہ رکھنا۔

ضِغۡنٌ ج اَضۡغَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ کینہ۔ بغض۔ زیر مطالعہ آیت۔ 29۔

ل ح ن

(ف) لَحۡنًا بات کو اس کے مستعمل اسلوب سے پھیر دینا۔ کنایہ میں بات کرنا۔

لَحۡنٌ کنایہ طرز گفتگو۔ لہجہ۔ زیر مطالعہ آیت۔ 30۔

ترجمہ

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ	فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ	اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ	اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾
یا انہوں نے گمان کیا	جن کے دلوں میں ایک روگ ہے	کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ	ان کے کینوں کو

وَلَوۡ نَشَآءُ	لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ	فَلَعَرَفۡتَهُمۡ	بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ
اور اگر ہم چاہتے	تو آپؐ کو ہم ضرور دکھاتے وہ لوگ	تو آپؐ پہچان لیتے ان کو	ان (کے چہروں) کی علامات سے

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ	فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾
اور آپؐ لازماً پہنچان لیں گے ان کو	بات کرنے کے انداز سے	اور اللہ جانتا ہے	تمہارے اعمال کو

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	حَتّٰى نَعْلَمَ	الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ
اور ہم لازماً آزمائیں گے تم لوگوں کو	یہاں تک کہ ہم جان لیں (ظاہر کردیں)	مجاہدوں کو تم میں سے

وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ	وَنَبْلُوَا	اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور ثابت قدم رہنے والوں کو	اور ہم جانچیں گے	تمہاری حالتوں کو	بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَشَآقُّوا	الرَّسُوْلَ	مِنْۢ بَعْدِ مَا
اور وہ رکے رہے	اللہ کی راہ سے	اور انہوں نے مخالفت کی	ان رسولؐ کی	اس کے بعد کہ جب

تَبَيَّنَ لَهُمُ	الْهُدٰى ۙ	لَنْ يَّضُرُّوا	اللّٰهَ	شَيْئًا ؕ	وَسَيُحْبِطُ
واضح ہوئی ان کے لیے	ہدایت	وہ لوگ ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے	اللہ کو	کچھ بھی	اور وہ اکارت کرے گا

اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اَطِيْعُوا اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
ان کے اعمال کو	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی	اور اطاعت کرو ان رسولؐ کی

وَلَا تُبْطِلُوْٓا	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور تم لوگ غارت مت کرو	اپنے اعمال کو	بیشک جن لوگوں نے کفر کیا	اور وہ رکے رہے	اللہ کی راہ سے

ثُمَّ مَاتُوْا	وَهُمْ	كُفَّارٌ	فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ	لَهُمْ ﴿۳۴﴾
پھر وہ مر گئے	اس حال میں کہ وہ لوگ	انکار کرنے والے تھے	تو ہرگز مغفرت نہیں کرے گا اللہ	ان لوگوں کی

نوٹ:1

آیت۔30۔ میں ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم منافقین آپ کو دکھا دیں۔ اس مضمون کو حرف لَو سے بیان کیا ہے جس کا استعمال ایسی شرط کے لیے ہوتا ہے جس کا وقوع نہ ہوا ہو۔اس لیے اس آیت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ہر منافق کو شخصی طور پر متعین کر کے آپؐ کو بتا دیتے۔مگر ہم نے حکمت اور مصلحت سے ان کو اس طرح رسوا کرنا پسند نہیں کیا تاکہ یہ ضابطہ قائم رہے کہ تمام امور کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور قلبی مضمرات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے البتہ آپؐ کو ایسی بصیرت ہم نے دے دی ہے کہ آپؐ منافق کو اس کے کلام سے پہچان لیں۔اور بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت کا آپؐ کو شخصی طور پر علم دے دیا گیا تھا۔جیسا کہ مسند احمد میں عقبہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا۔اس میں۔36۔آدمیوں کے نام شمار کیے گئے ہیں۔(معارف القرآن)۔

پڑھے کم بولے زیادہ قسم کے کچھ دانشور مذکورہ احادیث کو زیر مطالعہ آیت۔30۔ کے خلاف قرار دیتے اور وہ بھی لفظ لَو کو اپنی دلیل کی بنیاد بناتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اگر ہم چاہتے تو بتا دیتے لیکن بتایا نہیں تو پھر کوئی راوی اگر کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کے نام معلوم تھے تو یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔حالانکہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ منافقوں کو تو آپؐ نے ان کی علامتوں سے پہچان لیا ہے اور باقیوں کو ان کے لحن القول سے لازماً پہچان لیں گے۔اب اگر اپنے اس علم کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو ان کے نام لے کر منافق قرار دیا تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔آخر اللہ کے رسول تھے کوئی دانشور تو نہیں تھے۔یہ تو خیر جواب آں غزل ہے۔اب صحیح بات سمجھ لیں۔

ان دانشوروں کو یا تو سورہ محمدؐ کے زمانۂ نزول کا علم نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ دانستہ اس سے اغماض برت رہے ہیں تا کہ عام مسلمانوں کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر احادیث پر ان کے ایمان کو متزلزل کرسکیں۔ یہ سورت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نازل ہوئی ہے۔ (معارف القرآن)۔ یہ ہجرت کے بعد مدینہ میں اس وقت نازل ہوئی جب جنگ کا حکم تو دیا جاچکا تھا (البقرہ۔190) مگر ابھی جنگ عملاً شروع ہوئی نہ تھی۔(تفہیم القرآن)۔ جنگ بدر رمضان ۲ھ کا واقعہ ہے۔اس طرح اس سورہ کا زمانۂ نزول اھ کے آخر یا ۲ھ کے شروع کا زمانہ بنتا ہے۔جبکہ۔۳۶۔آدمیوں کا نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دینے کا واقعہ جنگ تبوک سے واپسی پر پیش آیا۔جنگ تبوک ۹ھ میں ہوئی تھی۔اب اگر ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے نام نہیں بتائے تھے اور سات سال کے بعد ۹ھ میں اس وقت کے منافقوں کے نام بتا دیئے تو اس میں قرآن کے خلاف کیا بات ہے۔آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی تو فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو بتا دیتے لیکن ابھی بتایا نہیں ہے۔قرآن میں یہ کہاں لکھا ہے کہ کبھی بھی نہیں بتائیں گے۔''آرزو کی ایک جماعت نے اہل کتاب میں سے کہ کاش وہ لوگ گمراہ کر دیں تم لوگوں کو۔اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اس حال میں کہ وہ لوگ شعور نہیں رکھتے۔'' (3/آل عمران:69)

آیت نمبر (35 تا 38)

ترجمہ

فَلَا تَهِنُوْا	وَتَدْعُوْٓا	اِلَى السَّلْمِ ۖ	وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ	وَاللّٰهُ مَعَكُمْ
تو تم لوگ ہمت مت ہارو	اور نہ بلاؤ	صلح کی طرف	اور تم لوگ غالب ہو	اور اللہ تمہارے ساتھ ہے

وَلَنْ يَّتِرَكُمْ	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾	اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ
اور وہ ہرگز حق تلفی نہیں کرے گا تمہاری	تمہارے اعمال میں	دنیوی زندگی تو بس	کھیل اور تماشہ ہے

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا	يُؤْتِكُمْ	اُجُوْرَكُمْ	وَلَا يَسْـَٔـلْكُمْ	اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو	تو وہ دے گا تم لوگوں کو	تمہاری اُجرتیں	اور وہ نہیں مانگے گا تم سے	تمہارے مال

اِنْ يَّسْـَٔـلْكُمُوْهَا	فَيُحْفِكُمْ	تَبْخَلُوْا	وَيُخْرِجْ	اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾
اگر وہ مانگے تم سے اس (مال) کو	پھر وہ اصرار کرے تم سے	تو تم لوگ کنجوسی کرو گے	اور وہ نکالے گا	تمہارے بغض کو

هٰٓاَنْتُمْ	هٰٓؤُلَاۗءِ	تُدْعَوْنَ	لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ	فَمِنْكُمْ مَّنْ
ہاں ہاں تم لوگ تو	وہ لوگ ہو	جن کو دعوت دی جاتی ہے	کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں	تو تم میں وہ بھی ہے جو

يَّبْخَلُ ۚ	وَمَنْ يَّبْخَلْ	فَاِنَّمَا يَبْخَلُ	عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ
کنجوسی کرتا ہے	اور جو کنجوسی کرتا ہے	تو وہ تو بس کنجوسی کرتا ہے	اپنی جان سے

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ	وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ	وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	يَسْتَبْدِلْ
اوراللہ ہی بے نیاز ہے	اورتم لوگ محتاج ہو	اور اگر تم لوگ منہ موڑو گے	تو وہ بدلے میں لے گا

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ	ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا	اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸ ع
کسی قوم کو تمہارے علاوہ	پھر وہ لوگ نہ ہوں گے	تمہارے جیسے

نوٹ:1 آیت۔35۔ میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے جبکہ سورہ انفال کی آیت۔61۔ میں ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپؐ بھی مائل ہو جایئے۔ جس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت والی آیت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء ہو اور اس آیت میں جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح کی درخواست کی جائے۔ اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھی جائے۔ اس آیت کے شروع میں فَلَا تَهِنُوْا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جس کا منشاء بزدلی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔36۔ میں وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرتا۔ مگر پورے قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشمار مواقع آئے ہیں۔ اور خود اس آیت کے بعد اگلی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آرہی ہے۔ اس لیے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے لَا يَسْـَٔلْكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال اپنے نفع کے لیے نہیں مانگتا بلکہ تمہارے ہی فائدے کے لیے مانگتا ہے۔ اس کی نظیر الذاریات کی آیت۔57۔ ہے۔ جس میں ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی بھی رزق نہیں چاہتے۔ اور بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا کہ لَا يَسْـَٔلْكُمْ سے مراد پورا مال طلب کرنا ہے۔ اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ کیونکہ احفاء کے معنی مبالغہ کرنے اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانے کے ہیں۔ اس دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے پورے اموال طلب کرتا تو تم بخل کرنے لگتے اور اس حکم کی تعمیل تمہیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادائیگی کے وقت تمہاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ اس طرح دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مالی فرائض تم پر عائد کیے ہیں وہ خود تمہارے ہی فائدے کے لیے ہیں اور پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے مال کا اتنا تھوڑا سا جز و فرض کیا ہے جو کسی طرح بارِ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ میں چالیسواں حصّہ، زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصّہ، سو بکریوں میں ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پورے اموال تو طلب نہیں کیے بلکہ اس کا قدرِ قلیل طلب فرمایا ہے۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ اس کو خوشی سے ادا کیا کرو۔ (معارف القرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفتح (48)

آیت نمبر (1 تا 7)

ترجمہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ	فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لا	لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ	مَا تَقَدَّمَ
بیشک ہم نے فیصلہ کیا آپؐ کے لیے	ایک کھلا فیصلہ	تاکہ معاف کرے آپؐ کے لیے اللہ	اس کو جو آگے ہوئی

مِنۡ ذَنۡۢبِكَ	وَمَا تَاَخَّرَ	وَيُتِمَّ	نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ
آپؐ کی کمی بیشی میں سے	اور اس کو جو پیچھے رہی	اور تاکہ وہ تمام کرے	اپنی نعمت کو آپؐ پر

وَيَهۡدِيَكَ	صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۲﴾	وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ	نَصۡرًا عَزِيۡزًا ﴿۳﴾
اور تاکہ وہ رہنمائی کرے آپؐ کی	ایک سیدھے راستے کی طرف	اور تاکہ مدد کرے آپؐ کی اللہ	ایک زبردست مدد

هُوَ الَّذِىۡۤ	اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ	فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	لِيَزۡدَادُوۡۤا
وہ، وہ ہے جس نے	اتارا سکون کی کیفیت کو	مومنوں کے دلوں میں	تاکہ وہ لوگ زیادہ ہوں

اِيۡمَانًا	مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ	وَلِلّٰهِ	جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ
بلحاظ ایمان کے	اپنے ایمان کے ساتھ	اور اللہ ہی کے ہیں	زمین اور آسمانوں کے سارے لشکر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ﴿۴﴾	لِّيُدۡخِلَ	الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ	جَنّٰتٍ
اور اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے	تاکہ وہ داخل کرے	مومن مردوں اور مومن خواتین کو	ایسے باغات میں

تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ	خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا	وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ
بہتی ہیں جن کے نیچے سے نہریں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں	اور تاکہ وہ دور کر دے ان سے

سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ	وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ	فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ﴿۵﴾	وَّيُعَذِّبَ
ان کی برائیوں کو	اور یہ ہے اللہ کے نزدیک	ایک عظیم کامیابی	اور تاکہ وہ عذاب دے

الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ	وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ	الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ
منافق مردوں اور منافق عورتوں کو	اور شرک کرنے والے مردوں کو اور شرک کرنے والی عورتوں کو	گمان رکھنے والے اللہ کے بارے میں

ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ	عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ	وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ	وَلَعَنَهُمۡ
برائی کا گمان	ان پر برائی کی گردش (آفت) ہے	اور غضب کیا اللہ نے ان پر	اور اس نے لعنت کی ان کو

وَاَعَدَّ لَهُمۡ	جَهَنَّمَ ؕ	وَسَآءَتۡ	مَصِيۡرًا ﴿۶﴾
اور اس نے تیار کیا ان کے لیے	جہنم کو	اور وہ بری ہے	بلحاظ لوٹنے کی جگہ کے

وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۷﴾
اور اللہ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر	اور اللہ بالادست ہے حکمت والا ہے

نوٹ:1 اس سورۃ میں متعدد واقعات کی طرف اشارے ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے وقت کے سیاسی حالات ذہن میں واضح ہوں۔ اس لیے پہلے ان حالات کو سمجھ لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ نبی کا خواب وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور آگے چل کر آیت۔27۔ میں اللہ تعالیٰ نے خود توثیق کر دی ہے کہ یہ خواب ہم نے دکھایا تھا۔ اس لیے یہ ایک الٰہی اشارہ تھا جس کی پیروی کرنا ضروری تھا۔ جبکہ بظاہر اسباب اس ہدایت پر عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ قریش نے چھ سال

سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اب یہ توقع کیسے کی جاسکتی تھی کہ وہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کو مکہ میں داخل ہونے دیں گے۔ عمرے کے احرام باندھ کر جنگی ساز وسامان کے ساتھ نکلنا خود لڑائی کو دعوت دینا تھا۔ اور غیر مسلح جانے کا مطلب اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ ان حالات میں کوئی شخص یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر کیسے عمل کیا جائے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنا خواب صحابہ کرامؓ کو سنا کر سفر کی تیاری شروع کر دی اور آس پاس کے قبائل میں اعلان کرا دیا کہ جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آ جائے۔ جن لوگوں کی نگاہ ظاہری اسباب پر تھی انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی آپؐ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ چودہ سو صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ اس نہایت خطرناک سفر پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

ذی القعدہ ۶ھ کے آغاز میں یہ قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا۔ قربانی کے لیے ستر اونٹ ساتھ لیے جن کی گردنوں میں ھدی کی علامت کے طور پر قلادے پڑے ہوئے تھے۔ صرف ایک ایک تلوار رکھ لی جس کی تمام زائرین حرم کو عرب کے معروف قاعدے کے مطابق اجازت تھی۔ قریش کے لوگوں کو آپؐ کے اس اقدام نے سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ ذی القعدہ کا مہینہ ان مہینوں میں سے تھا جو حج وزیارت کے لیے محترم سمجھے جاتے تھے۔ قریش کے لوگ اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر ہم اس قافلے پر حملہ کر کے اسے مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں تو یہ ایسی غلطی ہو گی جس سے سارا عرب ہم سے منحرف ہو جائے گا کہ ہم جس سے بھی ناراض ہوں گے اسے بیت اللہ کی زیارت سے اسی طرح روک دیں گے۔ لیکن اگر ہم اس قافلہ کو اپنے شہر میں داخل ہونے دیتے ہیں تو ہماری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ آخر کار بڑی شش و پنج کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو اس شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش نے آپؐ کا راستہ روکنے کے لیے خالد بن ولید کو دوسو سواروں کا دستہ دے کر آگے بھیج دیا ہے۔ قریش کی چال یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح چھیڑ چھاڑ کر کے صحابہ کو اشتعال دلایا جائے۔ پھر اگر لڑائی ہو جائے تو مشہور کر دیں کہ یہ لوگ دراصل لڑنے کے لیے آئے تھے اور احرام دھوکہ دینے کے لیے باندھ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی راستہ بدل دیا اور ایک نہایت دشوار گزر راستہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع ہے۔ قریش نے یکے بعد دیگرے تین سرداروں کو بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو واپس جانے پر آمادہ کریں تینوں نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں تو ان تینوں نے قریش کے سرداروں کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرینِ حرم کا راستہ نہ روکیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت عثمانؓ کو ایلچی بنا کر مکہ بھیجا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت کے لیے آئے ہیں، طواف اور قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو مکہ ہی میں روک لیا۔ اس دوران یہ خبر اُڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو جائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ اب یہاں سے ہم مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ یہی وہ بیعت ہے جو بیعتِ رضوان کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ حضرت عثمانؓ خود بھی واپس آ گئے اور قریش کی طرف سے ایک وفد صلح کی بات چیت کرنے کے لیے آیا۔ طویل گفت وشنید کے بعد جن شرائط پر صلح نامہ لکھا گیا وہ یہ تھیں۔ (۱) دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی۔ (۲) اس دوران جو شخص بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا اسے وہ واپس کر دیں گے اور آپؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے وہ واپس نہ کریں گے۔ (۳) قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا بھی حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہو گا۔ (۴) محمد ﷺ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آ کر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں۔ جس وقت اس معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں، مسلمانوں کا پورا لشکر سخت مضطرب تھا۔ اس

معاہدہ میں سب سے زیادہ دو باتیں لوگوں کو بری طرح کُھل رہی تھیں۔ ایک شرط نمبر۔ ۲۔ تھی۔ اس کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ جو ہمارے پاس سے بھاگ کر ان کے پاس چلا جائے وہ ہمارے کس کام کا ہے۔ اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ اور جسے ہم واپس کریں گے تو اللہ اس کے لیے خلاصی کی کوئی دوسری صورت پیدا فرمادے گا۔ دوسری چیز جو لوگوں کے دلوں میں کھٹک رہی تھی وہ چوتھی شرط تھی۔ دلوں میں خلش تھی کہ ہم طواف کرنے کے لیے آئے تھے لیکن اب طواف کے بغیر واپس جانے کی شرط مان رہے ہیں، گویا ہم ناکام واپس جارہے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں کو سمجھایا کہ خواب میں اسی سال طواف کرنے کی صراحت تو نہ تھی۔ ان شاءاللہ اگلے سال طواف ہوگا۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ صلح حدیبیہ کو اپنی شکست اور ذلت سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جارہا تھا تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل فتح عظیم ہے۔ آپؐ نے سب کو جمع کر کے یہ سورۃ تلاوت فرمائی۔ اگرچہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن کر ہی مطمئن ہو گئے تھے، مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس صلح کے فوائد ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے، وہ فوائد یہ تھے۔ (۱) اب تک عربوں کی نگاہ میں مسلمانوں کی حیثیت قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور وہ ان کو برادری سے باہر سمجھتے تھے۔ قریش نے یہ معاہدہ کر کے اسلامی ریاست کے وجود کو باقاعدہ تسلیم کرلیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کرلیں۔ (۲) مسلمانوں کے لیے زیارتِ بیت اللہ کا حق تسلیم کر کے قریش نے گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اہل عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہوگئی جو قریش کے پروپیگنڈا سے اسلام کے خلاف پیدا ہوئی تھی۔ (۳) دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جانے سے مسلمانوں کو امن میسر آ گیا اور انہوں نے عرب میں چاروں طرف پھیل کر تیزی سے اسلام کی اشاعت کی۔ صلح حدیبیہ سے پہلے۔ ۱۹۔ سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر ہو گئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ صرف چودہ سو آدمی تھے۔ دو سال بعد جب حضورؐ نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا۔ (۴) جنگ بندی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی قوانین کے اجراء سے مسلم معاشرے کو ایک مکمل تہذیب وتمدن بنا دیں۔ (۵) قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان نصیب ہو جانے کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمالِ عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کرلیا۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہوگیا۔ اور اس کے بعد تبوک تک کی متعدد یہودی بستیاں اسلام کے زیرنگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسطِ عرب کے وہ تمام قبیلے بھی، جو قریش اور یہود کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے تابع فرمان ہو گئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ اسلام کا غلبہ یقینی ہوگیا۔ اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر اس سورۃ کو پڑھا جائے تو اسے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج ۵۔ ص ۳۴ تا ۴۱ سے ماخوذ)

نوٹ:2 صلح حدیبیہ کے سفر میں شامل چودہ سو صحابۂ کرامؓ وہ لوگ تھے جن کو سمجھانے والے سمجھاتے رہے کہ موت کے منہ میں مت جاؤ۔ پھر بھی یہ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے موت کے منہ میں جانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے جوش وجذبہ کا کیا عالم تھا۔ پھر ان کا یہ جوش وجذبہ اپنی آخری انتہا کو پہنچ گیا جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ مرتے دم تک

پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس کے فوراً بعد صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اس ذہنی اور جذباتی کیفیت میں ان ہتک آمیز شرائط کو تسلیم کرنا اور عمرہ کیے بغیر مدینہ کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرنا ایک معجزہ نظر آتا ہے اور بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ کی خصوصی توفیق کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ زیر مطالعہ آیت۔4۔ میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے مومنوں کے دلوں میں سکینہ نازل کی۔ (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماخوذ)

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

نوٹ:3

زیر مطالعہ آیت۔6۔ میں اللہ کے بارے میں برا گمان کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اس میں منافقین کے ان گمانوں کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آگے آیت۔12۔ میں کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اب واپس نہیں لوٹیں گے۔ یہاں پر منافقین اور منافقات کے ساتھ مشرکین اور مشرکات کا جوڑ اس گہری قلبی وذہنی مماثلت کی بنا پر ہے جو دونوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ جس طرح ایک مشرک اپنے رب کی بندگی کا مدعی ہوتے ہوئے دوسرے معبودوں کی پرستش کرتا ہے اسی طرح ایک منافق بھی اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کا مدعی ہوتے ہوئے اسلام کے مخالفین سے بھی گٹھ جوڑ رکھتا ہے اور اس کا رویہ وہ ہوتا ہے جس کی نشاندہی سورہ محمدؐ کی آیت۔26۔ میں کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کیا، ان لوگوں نے کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہارا کہا مانیں گے۔ اس اشتراک کی بنا پر قرآن نے نفاق کو شرک قرار دیا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (8 تا 14)

ترکیب

(آیت۔10) یہاں عَلَيْهُ اللّٰه آیا ہے جبکہ عربی قاعدے کے مطابق اسے عَلَيْهِ اللّٰہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ اس مقام پر اس کو عَلَيْهِ کے بجائے عَلَيْهُ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ متعدد مقامات پر اس نوعیت کی خصوصیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو قرآن مجید جیسا ملا تھا، انہوں نے اسے بالکل اسی طرح ہم تک پہنچایا ہے۔ اور قرآن مجید میں زبر۔ زیر پیش تک کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ (آیت۔11) اَهْلٌ کی جمع سالم اَهْلُوْنَ۔ اَهْلِيْنَ۔ اَهْلِيْنَ آتی ہے۔ یہاں فاعل ہونے کی وجہ سے یہ اَهْلُوْنَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اور نَا کی ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	شَاهِدًا	وَّمُبَشِّرًا	وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾
بیشک ہم نے بھیجا آپ ؐ کو	گواہ ہوتے ہوئے	اور بشارت دینے والا	اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے

لِّتُؤْمِنُوْا	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَتُعَزِّرُوْهُ	وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ
تا کہ تم لوگ ایمان لاؤ	اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور تا کہ تم لوگ تقویت دو ان ؐ کو	اور تعظیم کرو ان ؐ کی

وَتُسَبِّحُوْهُ	بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ	اِنَّمَا
اور تا کہ تم لوگ تسبیح کرو اس (اللہ) کی	صبح وشام	بیشک جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ ؐ سے	(تو) کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ	يَدُ اللّٰهِ	فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ	فَمَنْ نَّكَثَ	فَاِنَّمَا يَنْكُثُ
وہ لوگ بیعت کرتے ہیں اللہ سے	اللہ کا ہاتھ	ان کے ہاتھوں کے اوپر (ہوتا) ہے	پھر جس نے عہد شکنی کی	تو وہ تو بس عہد شکنی کرتا ہے

عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ	وَمَنْ اَوْفٰى	بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ	اللّٰهَ	فَسَيُؤْتِيْهِ	اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠
اپنے آپ کے خلاف	اور جس نے پورا کیا	اس کو اس نے معاہدہ کیا جس پر	اللہ سے	تو وہ (اللہ) دے گا اس کو	ایک اجر عظیم

سَيَقُوْلُ لَكَ	الْمُخَلَّفُوْنَ	مِنَ الْاَعْرَابِ	شَغَلَتْنَآ	اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
کہیں گے آپؐ سے	پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ	بدو لوگوں میں سے	مصروف کیا ہم کو	ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ	يَقُوْلُوْنَ	بِاَلْسِنَتِهِمْ	مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ	قُلْ
تو آپؐ مغفرت مانگیں (اللہ سے) ہمارے لیے	یہ لوگ کہیں گے	اپنی زبانوں سے	وہ، جو ان کے دلوں میں نہیں ہے	آپؐ کہیے

فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ	مِّنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا	اِنْ اَرَادَ بِكُمْ	ضَرًّا
تو کون اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے	اللہ سے (بچانے کا)	ذرا سا بھی	اگر وہ ارادہ کرے تمہارے بارے میں	کسی نقصان کا

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ	نَفْعًا ۭ	بَلْ كَانَ اللّٰهُ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرًا ۝١١	بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ
یا وہ ارادہ کرے تمہارے لیے	کسی نفع کا	بلکہ اللہ	اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے	بلکہ تم لوگوں نے گمان کیا کہ

لَّنْ يَّنْقَلِبَ	الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ	اَبَدًا	وَّزُيِّنَ
ہرگز نہیں پلٹیں گے	یہ رسولؐ اور مومن لوگ	اپنے گھر والوں کی طرف	کبھی بھی	اور سجا دیا گیا

ذٰلِكَ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ښ	وَكُنْتُمْ	قَوْمًۢا بُوْرًا ۝١٢
اس (خیال) کو	تمہارے دلوں میں	اور تم لوگوں نے گمان کیا برائی کا گمان	اور تم لوگ تھے ہی	ایک تباہ ہونے والی قوم

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا	لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝١٣
اور جو ایمان لایا ہی نہیں	اللہ پر اور اس کے رسول پر	تو بیشک ہم نے تیار کیا	کافروں کے لیے ایک بھڑکتی آگ

وَلِلّٰهِ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ	يَغْفِرُ	لِمَنْ يَّشَاۗءُ
اور اللہ ہی کی ہے	زمین اور آسمانوں کی حکومت	وہ بخش دیتا ہے	اس کو جس کو وہ چاہتا ہے

وَيُعَذِّبُ	مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ	وَكَانَ اللّٰهُ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۝١٤
اور وہ عذاب دیتا ہے	اس کو جس کو وہ چاہتا ہے	اور اللہ ہے	بے انتہا بخشنے والا	ہمیشہ رحم کرنے والا

نوٹ: 1

آیت۔10۔ کو عام طور پر بیعت رضوان سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اس کو بیعت رضوان سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بیعت رضوان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہاں سمع و طاعت کی اس عام بیعت کا ذکر ہے جو ہر ایمان لانے والا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کرتا تھا۔ یہاں اس کی عظمت اور اس کی ذمہ داریاں منافقین کو غیرت دلانے کے لیے بیان کی گئی ہیں کہ وہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت تو کر بیٹھے لیکن جب اس کے مطالبات پورے کرنے کا وقت آیا تو منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ ان پر یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے معاہدہ ہے۔ اگر کوئی اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرتا ہے تو وہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑتا ہے جس کا انجام دنیا اور آخرت میں رسوائی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2

اسی آیت۔10 میں عَلَيۡهُ اللّٰهَ کی ضمیر پر جوضمہ (پیش) ہے، اس کی بنا پر بعض مستشرقین نے قرآن کی نحو (گرامر) پر اعتراض کیا ہے۔ ان بیچاروں کو پتہ نہیں ہے کہ گرامر کی کتابیں قرآن کے اسلوب و اعراب کو پرکھنے کے لیے کسوٹی نہیں ہیں بلکہ قرآن گرامر کی کتابوں کو جانچنے کے لیے کسوٹی ہے کیونکہ قرآن قریش کی ٹکسالی زبان کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر پہلو سے محفوظ ہے۔ اس وجہ سے اس کی اگر کوئی چیز گرامر کے خلاف نظر آئے گی تو اسے قرآن کے نقص پر نہیں بلکہ گرامر مرتب کرنے والوں کے نقص پر محمول کریں گے۔ فصیح عربی میں آہنگ وصوت کے تقاضوں کے تحت بھی الفاظ، حروف اور ضمیروں پر ایسے ایسے تصرفات ہوئے ہیں کہ اگر کسی شخص کا علم صرف گرامر کی کتابوں ہی تک محدود ہو تو وہ ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ قرآن میں متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں کہ ضمیر لفظ کے اندر بالکل مدغم ہو کے رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ آہنگ وصوت کے تقاضے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ مثلاً الاعراف کی آیت۔ 111۔ اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ۔ اسی طرح سورۂ نور کی آیت۔52۔ يَخۡشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقۡهِ۔ قرآن کی آخری سورتوں میں بہت سی مثالیں ملیں گی کہ صرف آہنگ وصوت کے تقاضے سے حروف، الفاظ اور ضمیروں کی ہیئت میں ایسی تبدیلیاں ہوگئی ہیں جن کی گرامر والے کوئی توجیہ نہیں کر پاتے۔ (تدبر قرآن) اس نوٹ کو سمجھانے یا یوں کہہ لیں کہ ہضم کرانے کی غرض سے ہم آسان عربی گرامر کے پہلے باب ''تمہید'' سے ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں۔

''زبان پہلے وجود میں آجاتی ہے پھر بعد میں ضرورت پڑنے پر اس کے قواعد (گرامر) مرتب کیے جاتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پہلے قواعد مرتب کر کے کوئی زبان وجود میں لائی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن قواعد معدودے چند کے ہی مرتب کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد اس زبان کے تمام الفاظ پر حاوی نہیں ہوتے بلکہ کچھ نہ کچھ الفاظ ضرور مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہر زبان کے ساتھ ہے۔'' اس حوالہ سے اس تاریخی حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ جب غیر عرب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے، نیز اس وقت کی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے، ان لوگوں کو ضرورت پیش آئی کہ درسی طریقے سے یعنی قواعد (گرامر) کی مدد سے وہ عربی سیکھیں۔ چنانچہ اس وقت عربی گرامر مرتب کی گئی ہے۔ اس سے پہلے اور خاص طور سے نزول قرآن کے وقت عربی گرامر کا کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ قریش کی ٹکسالی زبان سے قریش کا بچہ بچہ واقف تھا۔ اگر قرآن میں کوئی بات اس زبان کے اسلوب اور اس کے صوت وآہنگ کے خلاف ہوتی تو وہ لوگ لازماً اس کو اچھالتے لیکن اس پہلو سے وہ قرآن کے کسی ایک مقام پر بھی اُنگلی نہ رکھ سکے۔ اب مغربی یونیورسٹیوں سے Ph.D کرنے والے ماہرین لسانیات میں سے کوئی اگر قرآن کے کسی مقام کو عربی گرامر کے خلاف قرار دے کر اسے قرآن کا نقص قرار دیتا ہے، تو اس کی یہ بات یا تو بدنیتی پر مبنی ہے یا جہالت پر۔ اس لیے مولانا اصلاحیؒ نے کہا ہے کہ گرامر کی کتابیں قرآن کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہیں بلکہ قرآن گرامر کی کتابوں کو جانچنے کے لیے کسوٹی ہے۔

آیت نمبر (15 تا 17)

ترجمہ

سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ	اِذَا انۡطَلَقۡتُمۡ	اِلٰى مَغَانِمَ	لِتَاۡخُذُوۡهَا
کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ	جب تم لوگ روانہ ہوگے	غنیمت والے مالوں کی طرف	تاکہ تم لوگ حاصل کرو ان کو

ذَرُوۡنَا	نَتَّبِعۡكُمۡ ج	يُرِيۡدُوۡنَ	اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا	كَلٰمَ اللّٰهِ ط	قُلۡ
تم لوگ چھوڑو ہم کو	تو ہم تمہارے پیچھے (ساتھ) چلیں گے	وہ لوگ چاہیں گے	کہ وہ بدل دیں	اللہ کے فرمان کو	آپ کہہ دیجئے

لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا	كَذٰلِكُمۡ	قَالَ اللّٰهُ	مِنۡ قَبۡلُ ج	فَسَيَقُوۡلُوۡنَ
تم لوگ ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے	اس طرح	کہا اللہ نے	پہلے سے	تو وہ لوگ کہیں گے

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ	بَلْ كَانُوْا لَا	يَفْقَهُوْنَ	اِلَّا قَلِيْلًا ⑮	قُلْ
بلکہ تم لوگ حسد کرتے ہو ہم سے	بلکہ وہ (ایسے) ہیں	جو سمجھتے نہیں ہیں	مگر تھوڑا سا	آپ کہہ دیجئے

لِّلْمُخَلَّفِيْنَ	مِنَ الْاَعْرَابِ	سَتُدْعَوْنَ	اِلٰى قَوْمٍ
پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں سے	بدو لوگوں میں سے	تم لوگ بلائے جاؤ گے	ایک ایسی قوم کی طرف جو

اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ	تُقَاتِلُوْنَهُمْ	اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ	فَاِنْ تُطِيْعُوْا	يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ
سخت لڑائی والی ہے	تم لوگ قتال کرو گے ان سے	یا وہ تابعدار رہوں گے	پھر اگر تم لوگ فرمانبرداری کرو گے	تو دے گا تمہیں اللہ

اَجْرًا حَسَنًا ۚ	وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	كَمَا	تَوَلَّيْتُمْ	مِّنْ قَبْلُ	يُعَذِّبْكُمْ
ایک خوبصورت اجر	اور اگر تم لوگ روگردانی کرو گے	اس کے مانند جو	تم نے روگردانی کی	اس سے پہلے	تو وہ عذاب دے گا تم کو

عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯	لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى	حَرَجٌ	وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
ایک دردناک عذاب	نہیں ہے اندھے پر	کوئی گناہ	اور نہ لنگڑے پر

حَرَجٌ	وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ	وَمَنْ يُّطِعِ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	يُدْخِلْهُ
کوئی گناہ ہے	اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے	اور جو اطاعت کرے گا	اللہ اور اس کے رسول کی	تو وہ داخل کرے گا اس کو

جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ۚ	وَمَنْ يَّتَوَلَّ	يُعَذِّبْهُ	عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰ ع
ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے نیچے سے	نہریں	اور جو روگردانی کرے گا	تو وہ عذاب دے گا اس کو	ایک دردناک عذاب

نوٹ: 1

ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد پیش آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفرِ حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفرِ حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے بھی جہادِ خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا۔ ان کے جواب میں قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام یعنی حکم کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اور اس حکم سے مراد غزوۂ خیبر اور اس کے مغانم کا صرف اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہونا ہے۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر نہیں ہے۔ پھر اس وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے درست ہوا۔ یہ وعدہ وحیِ غیر مَتلُو کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا تھا۔ اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام قرآن کے علاوہ جو احکام احادیث میں مذکور ہیں وہ بھی اس آیت کی تصریح کے مطابق کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ اس سورۃ میں فَتْحًا قَرِيْبًا کے الفاظ موجود ہیں اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے، تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم کا اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آ گیا، وہی کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہوسکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی اور دوسرے اس میں شریک نہ ہوسکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث سے ہی معلوم ہوئی ہے اور وہی کلام اور قال اللہ کا مصداق ہے۔ بعض حضرات نے سورۂ توبہ کی آیت ۔83 کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ وہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے متعلق ہے جو غزوۂ خیبر کے بعد ۹ ھ میں ہوا ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

سفر حدیبیہ سے کچھ ہی پہلے غزوۂ احزاب (جنگ خندق) ہو چکا تھا۔ یہ غزوۂ خیبر کے یہودیوں کی تحریک پر ہوا تھا۔ ان[illegible] قریش اور عرب کے تقریباً تمام بڑے بڑے قبیلوں کو اکٹھا کر کے ان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اُس لشکر کی تعداد تقریباً دس بارہ ہزار تھی اور عرب کی تاریخ میں اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں بنا تھا۔ یہودیوں کے اس تاریخی کارنامے پر ان کو سزا دینا ضروری تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد صورت حال یہ بن گئی تھی کہ اب اگر مسلمان یہودیوں کے خلاف کوئی فوجی کاروائی کرتے ہیں تو قریش اور اس کے حلیف قبیلے یہودیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اگر قریش اور یہودیوں کے درمیان حلیفانہ معاہدہ ہو جاتا تو پھر مسلمان دس سال تک یہودیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے حدیبیہ سے واپسی کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کا فیصلہ کر لیا۔ (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماخوذ)

آیت نمبر (18 تا 23)

ترجمہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ	عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ	تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بیشک راضی ہو گیا اللہ	اُن مومنوں سے	جب وہ بیعت کرتے تھے آپؐ سے	اُس درخت کے نیچے

فَعَلِمَ	مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ	فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ	وَاَثَابَهُمْ
تو اس نے جانا	اس کو جو ان کے دلوں میں تھا	تو اس نے اتاری سکون کی کیفیت ان پر	اور اس نے بدلے میں دیا ان کو

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾	وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً	يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ	وَكَانَ اللّٰهُ	عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾
ایک قریبی فتح	اور بہت ہی غنیمتیں	وہ لوگ حاصل کریں گے جن کو	اور اللہ ہے	بالادست حکمت والا

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ	مَغَانِمَ كَثِيْرَةً	تَاْخُذُوْنَهَا	فَعَجَّلَ لَكُمْ	هٰذِهٖ
وعدہ کیا تم لوگوں سے اللہ نے	بہت سی غنیمتوں کا	تم لوگ حاصل کرو گے جن کو	پھر اس نے جلدی کر دیا تمہارے لیے	اس (غنیمت) کو

وَكَفَّ	اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ	وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
اور اس نے باندھ دیا	لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے	اور تاکہ یہ (غنیمت) ہو جائے ایک نشانی	ان (سفر حدیبیہ والے) مومنوں کے لیے

وَيَهْدِيَكُمْ	صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾	وَّاُخْرٰى	لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
اور تاکہ وہ رہنمائی کرے تمہاری	ایک سیدھے راستے کی	اور کچھ دوسری (غنیمتیں بھی)	تم لوگوں نے قابو نہیں پایا جن پر (ابھی)

قَدْ اَحَاطَ	اللّٰهُ بِهَا ۭ	وَكَانَ اللّٰهُ	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾
احاطہ کر لیا ہے	اللہ نے ان کا	اور اللہ ہے	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ	ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ	وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾
اور اگر وہ لوگ جنگ کرتے تم سے جنہوں نے	کفر کیا	تو وہ ضرور پھیر لیتے پیٹھوں کو	پھر وہ لوگ نہ پاتے	کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ	قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلُ ښ	وَلَنْ تَجِدَ	لِسُنَّةِ اللّٰهِ	تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾
اللہ کی وہ سنت ہوتے ہوئے جو	گزر چکی ہے	اس سے پہلے	اور آپؐ ہرگز نہیں پائیں گے	اللہ کی سنت کے لیے	کوئی تبدیلی کرنا

نوٹ:1 آیت۔18۔میں اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرما دیا ہے۔اسی لیے اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاءِ غزوۂ بدر کی سی ہے۔جیسا ان کے متعلق قرآن وحدیث میں رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لیے بھی یہ بشارت آئی ہے۔شجرہ جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے،ایک ببول کا درخت تھا۔مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا۔راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے۔انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔اس کے بعد میں حضرت سعید بن مسیب کے پاس حاضر ہوا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت میں شریک تھے۔انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب ہم اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا لیکن ہمیں بھول ہوگئی اور اس کا پتہ نہیں لگا۔پھر حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے،ان کو تو پتہ نہیں لگا اور تمہیں وہ معلوم ہوگیا۔عجیب بات ہے،کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کرلیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں ہے۔پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہوگیا۔اس لیے اس درخت کو کٹوا دیا ہو تو کیا بعید ہے۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں فَتۡحًا قَرِیۡبًا سے مراد فتح خیبر ہے۔درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں۔ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ ۶ ھ میں حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لائے۔محرم ۷ ھ میں آپؐ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے اور ماہ صفر ۷ ھ میں خیبر فتح ہوا۔(معارف القرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔20۔ کَفَّ اَیۡدِیَ النَّاسِ عَنۡکُمۡ کے الفاظ آئے ہیں۔یہاں النَّاسِ سے مراد قریش ہیں۔معاہدۂ حدیبیہ میں دونوں فریق یعنی مسلمان اور قریش یہ پابندی قبول کر چکے تھے کہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے۔اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ انہیں خیبر کے یہودیوں کے خلاف اقدام کرنے کا اچھا موقع مل گیا اور یہ خیال کر کے کہ اب ان کو قریش کی پشت پناہی نہیں حاصل ہو سکے گی،یہودی بڑی جلدی حوصلہ ہار بیٹھے۔اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ معاہدۂ حدیبیہ مسلمانوں کی شکست نہیں بلکہ ایک فتح عظیم اور آئندہ کی فتوحات کا دیباچہ ہے۔

آیت نمبر (24تا26)

ترجمہ

وَھُوَ الَّذِیۡ کَفَّ	اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ	وَاَیۡدِیَکُمۡ عَنۡھُمۡ	بِبَطۡنِ مَکَّۃَ
اور وہ،وہ ہے جس نے روک دیا	ان کے ہاتھوں کو تم سے	اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے	مکہ کے نشیب میں

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ	اَظۡفَرَکُمۡ عَلَیۡھِمۡ ؕ	وَکَانَ اللّٰہُ	بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	بَصِیۡرًا ﴿۲۴﴾
اس کے بعد کہ	اس نے غالب کیا تم کو ان پر	اور اللہ ہے	اس کو جو تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا

ھُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	وَصَدُّوۡکُمۡ	عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ	وَالۡھَدۡیَ	مَعۡکُوۡفًا
یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا	اور روکا تمہیں	مسجدِ حرام سے	اور قربانی کے جانور کو	روکا ہوا ہوتے ہوئے

اَنْ يَّبْلُغَ	مَحِلَّهٗ	وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ	وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ	لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ
کہ وہ پہنچے	اپنی منزل کو	اگر نہ ہوتے کچھ مومن مرد	اور مسلمان خواتین	تم لوگوں نے نہیں جانا تھا جن کو

اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ	فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ	مَّعَرَّةٌۢ	بِغَيْرِ عِلْمٍ	لِيُدْخِلَ اللّٰهُ
کہ (کہیں) تم روند ڈالو ان کو	نتیجتاً آ لگے تم کو ان سے	کوئی برائی	بغیر جانے بوجھے	(جنگ نہ ہونے دی) تاکہ داخل کرے اللہ

فِيْ رَحْمَتِهٖ	مَنْ يَّشَآءُ	لَوْ تَزَيَّلُوْا	لَعَذَّبْنَا	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
اپنی رحمت میں	اس کو جس کو وہ چاہے	اگر وہ لوگ الگ الگ ہوتے	تو ہم ضرور عذاب دیتے	ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿25﴾	اِذْ جَعَلَ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	الْحَمِيَّةَ
ایک دردناک عذاب	جب بنایا	ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	اپنے دلوں میں	رعونت،

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ	فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	سَكِيْنَتَهٗ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ	وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
غلط عقائد کی رعونت	تو اتارا اللہ نے	اپنی سکینت	اپنے رسول پر	اور مومنوں پر

وَاَلْزَمَهُمْ	كَلِمَةَ التَّقْوٰى	وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا
اور اس نے چپکا دیا ان کو	تقویٰ کی بات پر	اور وہ لوگ زیادہ حقدار تھے اس کے

وَاَهْلَهَا	وَكَانَ اللّٰهُ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمًا ﴿26﴾
اور اس کی اہلیت والے تھے	اور اللہ ہے	ہر چیز کا	علم رکھنے والا

نوٹ: 1

بطن مکہ سے اشارہ حدیبیہ کی طرف ہے۔ یہ بالکل مکہ کے دامن میں ہے اس وجہ سے اس کو بطن مکہ سے تعبیر فرمایا اور اس موقع پر جنگ کی نوبت جو نہیں آئی تو یہ تدبیر الٰہی کا کرشمہ ہے۔ حکمت الٰہی کا تقاضہ یہی ہوا کہ ابھی جنگ نہ ہو اس لیے اس نے دونوں فریقوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیے (تدبر قرآن)۔ اس حکمت کا بیان آیت۔25 میں آیا ہے اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ میں اس وقت مسلمان مرد و زن ایسے موجود تھے جنہوں نے یا تو اپنا ایمان چھپا رکھا تھا یا جن کا ایمان معلوم تھا مگر وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے۔ اس حالت میں اگر جنگ ہوتی تو کفار کے ساتھ یہ مسلمان بھی انجانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قریش کو ایک خونریز جنگ میں شکست دلوا کر مکہ فتح کرانا نہ چاہتا تھا بلکہ اس کے پیش نظر یہ تھا کہ ان کو اس طرح بے بس کر دیا جائے کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر مغلوب ہو جائیں اور پھر پورا قبیلہ اسلام قبول کر کے اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 29)

ترکیب

(آیت۔29) اس آیت میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ فِي التَّوْرٰىةِ پر وقف کیا جائے۔ اس طرح مطلب ہوگا کہ اس سے پہلے کی مثالیں تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ اس سے آگے مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ پر وقف نہ کریں بلکہ ملا کر پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ انجیل میں صحابہ کی مثال ایک کھیتی (كَزَرْعٍ) کی مانند ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ فِي التَّوْرٰىةِ پر وقف نہ ہو بلکہ فِي الْاِنْجِيْلِ پر وقف کیا جائے، تو معنی یہ ہوں گے کہ سابقہ نشانیاں تورات اور انجیل دونوں میں ہیں اور آگے كَزَرْعٍ کی مثال کو ایک الگ مثال قرار دیا جائے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں کسی جگہ

وقف نہ کیا جائے بلکہ ملا کر پڑھا جائے اور لفظ ذٰلِكَ اگلی مثال کی طرف اشارہ ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ تورات وانجیل دونوں میں صحابہ کی مثال زَرۡعٍ یعنی کھیتی کی دی گئی ہے۔ اگر اس زمانے میں تورات وانجیل اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان کو دیکھ کر مرادِ قرآنی متعین ہو جاتی۔ لیکن ان میں تحریفات کا سلسلہ بے حد و بے شمار رہا ہے اس لیے کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا مگر اکثر مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ (معارف القرآن۔ ج ۸، ص ۹۳ سے ماخوذ) ترجمہ میں ہم دوسرے احتمال کو ترجیح دیں گے۔ فَاٰزَرَہٗ میں اٰزَرَ کا مادہ ''ء ز ر'' ہے اور یہ باب مفاعلہ کا ماضی ہے باب افعال کا نہیں ہے۔ جن مادوں کے فا کلمہ پر ہمزہ ہوتا ہے، باب مفاعلہ اور باب افعال میں ان کا ماضی ہم شکل ہو جاتا ہے اور ان میں تمیز کرنے کے لیے کوئی پہچان یا قرینہ نہیں ہے۔ اس کے لیے ڈکشنری ہی دیکھنی ہوتی ہے۔

ترجمہ

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ	رَسُوۡلَهُ	الرُّءۡيَا	بِالۡحَقِّ ۚ	لَتَدۡخُلُنَّ	الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ
بیشک سچ دکھایا اللہ نے	اپنے رسول کو	وہ خواب	حق کے ساتھ	تم لوگ لازماً داخل ہو گے	مسجد حرام میں

اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ	اٰمِنِيۡنَ ۙ	مُحَلِّقِيۡنَ	رُءُوۡسَكُمۡ	وَمُقَصِّرِيۡنَ ۙ
اگر چاہا اللہ نے	امن میں ہونے والے،	مونڈنے والے ہوتے ہوئے	اپنے سروں کو	اور تراشنے والے ہوتے ہوئے

لَا تَخَافُوۡنَ ؕ	فَعَلِمَ	مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا	فَجَعَلَ	مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ
تم لوگ خوف نہیں کرو گے	پھر اس نے جانا	اس کو جو تم لوگ نہیں جانتے تھے	تو اس نے مقرر کیا	اس کے علاوہ

فَتۡحًا قَرِيۡبًا ﴿۲۷﴾	هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ	رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى	وَدِيۡنِ الۡحَقِّ
ایک قریبی فتح	وہ، وہ ہے جس نے بھیجا	اپنے رسول کو اس ہدایت (قرآن) کے ساتھ	اور الحق (اللہ تعالیٰ) کے ضابطۂ حیات کے ساتھ

لِيُظۡهِرَهٗ	عَلَى الدِّيۡنِ	كُلِّهٖ ؕ	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	شَهِيۡدًا ﴿۲۸﴾
تاکہ وہ (رسولؐ) غالب کر دیں اس (دین) کو	نظامِ حیات پر	اس کے کل پر	اور کافی ہے اللہ	بطور معائنہ کرنے والے کے

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ	وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ	اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ	رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ	تَرٰٮهُمۡ
محمدؐ اللہ کے رسول ہیں	اور وہ لوگ جو انؐ کے ساتھ ہیں	سخت ہیں کافروں پر	رحیم ہیں آپس میں	تو دیکھے گا ان کو

رُكَّعًا سُجَّدًا	يَّبۡتَغُوۡنَ	فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ	وَرِضۡوَانًا ۫	سِيۡمَاهُمۡ
رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے	تلاش کرتے ہوئے	فضل کو اللہ سے	اور (اس کی) خوشنودی کو	ان کی علامت (پہچان)

فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ	مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ	ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ	فِى التَّوۡرٰٮةِ ۖۛ	وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۖۛ
ان کے چہروں میں ہے	سجدوں کے اثر سے	یہ ان کی مثال ہے	تورات میں	اور (یہی) ان کی مثال ہے انجیل میں

كَزَرۡعٍ	اَخۡرَجَ شَطۡئَهٗ	فَاٰزَرَهٗ	فَاسۡتَغۡلَظَ	فَاسۡتَوٰى
(وہ لوگ) ایک ایسی کھیتی کی مانند ہیں جس نے	نکالا اپنا خوشہ	پھر اس نے مضبوط کیا اس کو	تو وہ موٹا ہوا	پھر جم گیا

عَلٰى سُوۡقِهٖ	يُعۡجِبُ	الزُّرَّاعَ	لِيَغِيۡظَ	بِهِمُ	الۡكُفَّارَ ؕ
اپنی پنڈلی پر	وہ (کھیتی) دلکش لگتی ہے	کسانوں کو	تاکہ وہ (اللہ) خون کھولائے	ان لوگوں (وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ) سے	کافروں کا

وَعَدَاللّٰهُ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	مِنْهُمْ	مَّغْفِرَةً	وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾
وعدہ کیا اللہ نے	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	اور جنہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	ان میں سے	مغفرت کا	اور اجرِ عظیم کا

نوٹ:1 صحابہ کرامؓ کا یہ عزمِ عمرہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بناء پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی جب صلح حدیبیہ مکمل ہوگئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ عمرہ ادا کیے بغیر واپس مدینہ جانا ہے تو بعض صحابہؓ کے دلوں میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ آپؐ کا خواب سچا نہیں ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین تو مسلمانوں کو ضرور طعنہ دیتے کہ تمہارے رسول کا خواب سچا نہیں ہوا۔ اس کے لیے آیت۔27۔ نازل ہوئی (معارف القرآن سے ماخوذ)۔ یہاں مسلمانوں سے وعدہ کرتے ہوئے کہ تم لوگ لازماً مسجد حرام میں داخل ہوگے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے ساتھ خود ان شاء اللہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس کا تعلق دراصل اس پس منظر سے ہے جس میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے۔ کفار مکہ کو یہ زعم تھا کہ جس کو ہم عمرہ کرنے دینا چاہیں گے وہ عمرہ کر سکے گا، اور جب ہم اسے کرنے دیں گے اسی وقت وہ کر سکے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی مشیت پر نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے۔ اس سال عمرے کا نہ ہوسکنا اس لیے نہیں ہوا کہ کفار مکہ نے یہ چاہا تھا کہ وہ نہ ہو، بلکہ یہ اس لیے ہوا کہ ہم نے اس کو نہ ہونے دینا چاہا تھا۔ اور آئندہ اگر ہم چاہیں گے تو یہ عمرہ ہوگا خواہ کفار چاہیں یا نہ چاہیں۔ اس کے ساتھ ان الفاظ میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ مسلمان بھی یہ عمرہ اپنے زور سے نہیں کریں گے بلکہ ہماری مشیت سے کریں گے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔29۔ میں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے صحابہ کرامؓ کے فضائل کا بیان ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے مخاطب وہ صحابہؓ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے لیکن یہاں الفاظ کے عموم کی وجہ سے سبھی صحابہ کرامؓ شامل ہیں کیونکہ آپؐ کی صحبت و معیت سب کو حاصل ہے۔ اس مقام پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہو تو بعید نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں تھا اس لیے قرآن نے ان کے کچھ فضائل اور علامات کا بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کے اتباع کی ترغیب و تاکید فرما دی ہے۔

اس مقام پر صحابہ کرامؓ کا پہلا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ قرآن نے اس وصف کو مقدم بیان فرمایا کیونکہ درحقیقت اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان کامل کا اعلیٰ مقام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی محبت اور بغض دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کے کفار کے مقابلے پر سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ اور رسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کوئی بھی چیز ان کو اس کام سے نہیں روکتی۔ جہاں تک کافروں کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے، تو خود قرآن نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے درپے آزاد اور مقابلہ پر نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ منع نہیں کرتا۔ (الممتحنۃ۔8) چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بے شمار واقعات ہیں جن میں کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کیے گئے ہیں۔ اور ان کے معاملہ میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدان کارزار میں بھی عدل و انصاف کے خلاف کوئی کاروائی جائز نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا کہ ان کا عام حال یہ ہے کہ وہ رکوع وسجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ پہلا وصف کمالِ ایمان کی علامت تھی جبکہ دوسرا وصف کمالِ عمل کا بیان ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل نماز ہے۔اور نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی (یعنی لائف اسٹائل) بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ان آثار سے مراد وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گزار کے چہرہ پر مشاہدہ کیے جاتے ہیں۔خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے، تو دن میں اس کا چہرہ حسین پُرنور نظر آتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا تیسرا وصف ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان ہوا ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اگائے، تو اول وہ ایک ضعیف سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، پھر اس میں شاخیں نکلتیں ہیں، پھر وہ اور اور قوی ہوتا ہے، پھر اس کا مضبوط تنا بن جاتا ہے اسی طرح ایک وقت ایسا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا صرف تین مسلمان تھے۔مردوں میں صدیق اکبرؓ، عورتوں میں بی بی خدیجہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کو ان صفات کے ساتھ مزین فرمایا تا کہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غیظ ہو اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔اور ان سے مغفرت اور اجرِ عظیم کے وعدے کا اعلان فرما دیا، اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرامؓ سب کے سب عادل وثقہ ہیں۔قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں۔جن میں سے چند آیات تو اسی سورہ میں آچکی ہیں۔ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے۔اس کے علاوہ احادیث بھی ہیں۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا مت کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے کے ایک مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف مُد کے برابر۔مُد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کے برابر ہوتا ہے۔ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں۔میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بناؤ، کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی۔اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا۔اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی، اس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔آیات و احادیث اس کے متعلق بہت ہیں جن کو احقر نے اپنی کتاب مقامِ صحابہ میں جمع کر دیا ہے اور یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ (معارف القرآن۔ج۸،ص۹۱ تا ۹۷ سے ماخوذ)۔

مورخہ ۳/صفر ۱۴۳۰ھ بمطابق ۳۰/جنوری ۲۰۰۹ء